© rasailojaraid.com

احکامِ شرعیہ میں تدریج کا اطلاق و اجراء۔ چند کلیدی مباحث

عثمان احمد*

اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ آخری اور مکمل دین اسلام بعثت محمدی سے آغاز پذیر ہو کر آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں عروجِ تکمیل کو پہنچ گیا۔ احکاماتِ شریعت اجمال و تبیین، تخصیص و استثنا اور نسخ و تبدیل کے مراحل سے گزر کر علمی و عملی، دونوں لحاظ سے ایک حتمی شکل میں متمثل ہوئے۔ قرآن مجید تقریباً تیئیس سال کے عرصہ میں نجماً نجماً نازل ہوا۔ الٰہی اعلانات، ﴿مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا﴾ (۱) اور ﴿سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (۲) کے مطابق آیاتِ قرآنیہ تنسیخ و تبدیل کے بعد تعلیم و تحفیظ اور ترتیب و تدوین کے ذریعے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دی گئیں۔ احکاماتِ شریعت کی تنفیذ میں مرحلہ وار تفصیل و تکمیل کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ صدیوں سے جاری اعمالِ قبیحہ و فاسدہ انفرادی و معاشرتی سطح پر اس طرح جڑ پکڑ چکے تھے کہ ان کی یک لخت بیخ کنی ناممکن حد تک مشکل تھی اور خلافِ حکمت بھی۔ ضروری تھا کہ فطری طور پر آہستہ آہستہ قوانین کو آگے بڑھایا جائے اور انفرادی سطح پر ایسی تربیت بروئے کار لائی جائے کہ جس سے شریعت کی پابندی کی صلاحیت بھی پیدا ہو جائے اور تڑپ بھی۔ اسی طرح ایسا معاشرتی نظم و نسق قائم و مستحکم کیا جائے جو شریعت کی تنفیذ کی تمام رکاوٹیں دور کر دے اور تمام وسائل مہیا کر دے۔ چنانچہ بہت سے احکامات نے اختیاری سے وجوب کا درجہ حاصل کرنے کا سفر اسی مرحلہ وار انداز میں طے کیا۔ مرحلہ وار احکامات کا طریقہ شریعت کے بعض عملی پہلوؤں میں ملحوظ رکھا گیا اور اعتقادی جہت میں تدریج ایک لمحہ بھی قبول نہیں کی گئی۔ توحید، رسالت، آخرت اور دیگر عقائدِ اسلام کو پہلے ہی مرحلے پر مکمل ایمان کے ساتھ ماننا ضروری رہا۔

تدریج کے سلسلے میں بہت سے بنیادی سوالات ایسے ہیں جو جواب طلب ہیں۔ پہلا کلیدی سوال یہ ہے کہ کیا تدریج شریعت کا اصل الاصول ہے یا اس کی حیثیت محض ایک امر واقعہ کی ہے اور کیا قرآن و سنت نے اس کو بالتصریح کسی اصل کے طور پر متعین کیا ہے؟ دوسرا بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا ایسے شرعی دلایل موجود ہیں جو احکاماتِ شرعیہ کی تنفیذ و بقا کو تدریج کے اطلاق و اجراء کے ساتھ منسلک کرتے ہیں اور اصول تدریج کو ابدی حیثیت عطا کرتے ہیں؟ تیسرا ضروری سوال تدریج کے سلسلے میں یہ ہے کیا تدریج کا اختیار نبی ﷺ نے مجتہدین کو سونپ دیا۔ یا یہ حق صرف شارع کا تھا اور مجتہدینَ امت کو یہ نبوی حق حاصل نہیں؟ ان تینوں سوالات کو اس مضمون میں زیر بحث لایا جایے گا۔

تدریج کیا ہے:

قرآن اور احادیث نبویہ سے مستنبط ہوتا ہے کہ تدریج کا عمل درج ذیل امور پر مشتمل رہا۔

(۱) احکام شرعیہ واجبہ میں کسی فرد یا جماعت کو استثنا دینا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ بنو ثقیف کو جہاد نہ کرنے اور زکوۃ

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

ادا نہ کرنے کی اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ جب وہ حقیقی مسلمان بن جائیں گے تو خود زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگیں گے اور جہاد میں بھی شریک ہوں گے۔(۳)

(ب) احکامِ شرعیہ واجبہ میں کسی فرد یا جماعت کو تعمیل پذیری میں رخصت دینا۔جیسا کی نبی کریم ﷺ نے صحابی عید الاضحیٰ کے موقع پر چھ ماہ کے بچھڑے کو قربان کرنے کی رخصت عنایت فرمائی حالانکہ ان کے پاس مکمل عمر کی بکری موجود تھی۔(۴)

(ج) احکامِ شرعیہ واجبہ میں کسی حکمِ شریعت کو جزوی یا کلی طور پر معطل کرنا۔

(د) احکامِ شرعیہ واجبہ میں کسی فرد کے لئے تخفیف کر دینا جیسا کہ ایک نومسلم کو صرف دو نمازیں ادا کرنی کی اجازت دی۔(۵)

(ھ) احکامِ شرعیہ واجبہ کے وجوب کو آہستہ آہستہ کم مقدار سے زیادہ کی طرف لے جانا، رخصتوں کو ختم کرتے جانا اور پابندیوں کو بڑھاتے جانا۔جیسے کہ دو نماز سے پانچ نمازوں کا فرض ہونا۔(۶) روزہ کی فرضیت میں پہلے صرف عاشورہ کا روزہ، مہینے کے تین روزے، پھر روزوں کی فرضیت مع فدیہ کی رخصت اور آخر کار مکمل وجوب۔(۷)

(و) کسی حرام کام سے روکنے کے حکم کو یک لخت نافذ نہ کرنا۔جیسا کہ شراب کی حرمت۔(۸)

(ز) حرام کاموں میں ترجیح قائم کرتے ہوئے کسی فرد کو سب سے پہلے ایک حرام کام چھوڑنے کی اجازت دینا۔جیسا کہ نبی ﷺ کا ایک نومسلم کو سب سے پہلے جھوٹ بولنے کے منع کیا۔(۹)

تدریج کے نبوی اصول:

سیرت نبویہ کا مطالعہ درج ذیل نکات کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو تدریج کے اطلاق میں بطور اصول کارفرما ہے۔

۱۔ تدریج کے ذریعے آسانی کا معاملہ نومسلموں کے لیے مخصوص ہے۔نسلاً مسلمانوں کو اصول تدریج کے تحت احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں کسی قسم کی تخفیف نہیں دی گئی۔چنانچہ صحابہ کرام کی اولادیں جو مسلمانوں کی اولادیں تھیں اور مسلمان معاشرے میں پلی بڑھیں ان کے ساتھ تدریج کا معاملہ نہیں کیا گیا۔

۲۔ تدریج کے ذریعے تخفیف اور سہولت حقوق اللہ میں دی گئی۔حقوق العباد میں تدریج کا اصول لاگو نہیں کیا گیا۔چنانچہ چوری، ڈکیتی، غصب وظلم کے لیے کوئی تدریجی صورت اختیار نہیں کی گئی۔ایک فرد نے زنا کی اجازت طلب کی تو اس کو کہا گیا کہ جیسے تم اپنی والدہ کے ساتھ بدکاری کا عمل پسند نہیں کرتے ایسے ہی کوئی دوسرا بھی پسند نہیں کرتا۔(۱۰)

۳۔ عقائد دینیہ میں کسی قسم کی تدریج نہیں برتی گئی۔توحید و رسالت کا ماننا ابتداء ہی لازم رہا اور کسی کو یہ حق بھی نہیں دیا گیا کہ اس معاملے میں ذرا سی نرمی یا تغافل دکھائے۔

۴۔ تدریج کو غیر معینہ مدت کے لیے لاگو کیے جانے والے اصول کے طور پر نہیں برتا گیا۔بلکہ قبیلہ بنو ثقیف کے لیے

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

نبوی الفاظ'' جب وہ حقیقی مسلمان بن جائیں گے تو خود زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگیں گے اور جہاد میں بھی شریک ہوں گے'' اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مکمل سرِ تسلیم خم کروانے کے لیے یہ ایک جزوقتی ذریعہ سمجھا گیا۔

تدریج کا اختیار شارع کو ہے:

قرآن و حدیث کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ احکامِ شریعت میں تدریج کا اختیار صرف شارع کو ہے۔ کیونکہ احکامِ شریعت میں تخصیص واستثنا، تعطیل وتبدیل اور تخفیف وتمہیل کا حق امت کو ودیعت نہیں کیا گیا۔ شارع تو جان سکتا ہے کہ کسی فرد کو کس درجہ کی سہولت دی جائے کہ وہ اعمالِ شرعیہ میں مزید پختہ ہو جائے۔ شارع یہ بھی جان سکتا ہے کہ کسی شخص کی قلبی وروحانی کیفیت کیا ہے اور وہ مستقبل میں کس راہ کو اختیار کر سکتا ہے۔ شارع یہ بھی جان سکتا ہے کہ کس عبادت کے روحانی اثرات کیا ہیں اور کونسی دوسری عبادت کسی خاص حالت میں اس عمل کا متبادل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن یہ کسی بھی امتی کو یہ سب جاننے کی صلاحیت حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے امت محمدیہ کی تاریخ میں کسی فقیہ ومجتہد نے تدریج دینے کا منصب نہیں سنبھالا اور احکامِ شریعت کو بیک وقت قابل تنفیذ ولائق عمل سمجھا اور یہ استحقاق نہیں سمجھا کہ حالات کے پیش نظر کسی حرام کو جزوقتی حلال کر دیا جائے یا کسی عبادت کو معرضِ التوا میں ڈال دیا جائے۔ سیدنا صدیق اکبر کے عہد خلافت میں مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف ؓ کا صحابہ کا عمل اس پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام نے تدریج کے اختیار کو شارع کا حق سمجھا ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کا فرمان اس پر بالتصریح دلالت کرتا ہے:

'' والله لاقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة ،فان الزكاة حق المال ،والله لو منعونى عقالا كانوا يئودونه الى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعه'' (۱۱)

''اللہ کی قسم میں ہر اس شخص سے مقاتلہ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم اگر وہ ایک رسی بھی دینے سے انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں اس انکار پر ان کے خلاف مقاتلہ کروں گا۔''

صحابہ کا اس پر اجماع منعقد ہوا اور مانعین زکوٰۃ کی کسی تاویل کو قبول نہیں کیا گیا۔ صحابہ نے یہاں تدریج کے اصول کو منطبق نہیں فرمایا۔ حالانکہ حالات وواقعات اس کا تقاضا کرتے تھے جیسا اس وقت صحابہ کی مشاورت میں یہ سب زیر بحث آیا۔

اصولِ تدریج کو اصولِ شرعی کی حیثیت حاصل نہیں:

قرآن وسنت کا مطالعہ اس کو واضح کرتا ہے کہ تدریج کو شریعت کا اصل الاصول قرار دینے کی کوئی تصریح موجود نہیں۔ اولاً تو شریعت کے تمام احکامات میں تدریج کا اصول اپنایا ہی نہیں گیا اور محض چند احکاماتِ شرعیہ میں تدریج کو مدنظر رکھا گیا۔ اور مدنظر رکھی گئی تدریج کا ذکر بحیثیت اصول نہ تو قرآن نے کیا نہ زبان نبوی سے اسے کوئی قانونی مقام عطا کیا گیا بلکہ اہل علم نے اسے امرِ واقع کے طور پر شناخت کیا۔ ثانیاً بہت سے احکامات میں تو تدریج بالعکس رہی۔ یعنی ابتداء احکامات انتہائی سخت تھے پھر ان کی شدت کو نرمی میں بدل دیا گیا۔ قرآنی آیت ''الآن خفف الله عنكم ''(۱۲) اور ارشاد نبوی

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

''نهيتكم عن ثلاث وقد اذنت لكم فيهن نهيتكم ان تنتبذوا فانتبذوا و كل مسكر حرام، و نهيتكم ان تدخروا لحوم الاضاحى بعد ثلاث فكلوا وادخروا و نهيتكم ان تزوروا القبور فزوروها''(۱۳)

اسی حقیقت کے عکاس ہیں۔ ثالثاً علیٰ سبیل التسلیم یہ قبول کر بھی لیا جائے کہ تدریج احکامِ شریعت کا اصول رہا ہے تو اس کی کوئی دلیل موجود نہیں کہ تدریج کو قرآن اور سنت نبویہ نے ابدی اصول کے طور پر احکامات شرعیہ میں جاری و منطبق رکھنے کا حکم فرمایا یا اجازت دی۔ اس لیے شریعت کی تکمیل کے بعد دینِ حق کے تمام احکامات پر عمل کرنا لازم ہے۔ کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ تدریج کا اصول لاگو کرتے ہوئے کسی حکم شرعی سے کسی کو استثناء دے۔ کسی معاشرے میں شراب نوشی کی کثرت یا عالمی ساہوکاروں کے استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کے نتیجے میں سود کا معاشی کاروبار کی بنیاد بن جانا اصول تدریج کے ذریعے ان دونوں کو دائرۂ قبولیت میں داخل کرنے کا سبب نہیں بن سکتا۔ تدریج کا اختیار شارع کو تھا اور اکمال و اتمامِ دین کے بعد اس اصول کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ﴾ (۱۴)

''آج میں نے اپنا دین تم پر مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔''

یہ آیت واضح بتاتی ہے کہ دین کی حتمی شکل جو اللہ جل شانہ کو مطلوب تھی وہ تدریجاً مکمل ہو گئی۔ اکمال و اتمام کے بعد کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ دین کے قبلِ تکمیل احکامات کو دلیل بنا کر دین کی غیر حتمی صورت کو رائج کرے۔ دین کی تکمیل کا تقاضا ہے کہ اس پر مکمل عمل کیا جائے اور اس کی حتمی شکل کو انفرادی و اجتماعی زندگی نصب العین بنایا جائے۔ یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ قرآنی آیات کے اسبابِ نزول معانی کی تفہیم کے لیے نظائر و شواہد مہیا کرنے کے لحاظ سے بہت اہم ہوتے ہیں لیکن قرآنی معنویت ہمیشہ کسی خاص واقعہ میں مقید نہیں ہوتی اور اسباب نزول کو لازم و ملزوم کر کے قرآنی آیات کی آفاقیت و عالمگیریت کو محدود نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آیت جب نازل ہوئی اور جہاں نازل ہوئی اور اس کے بعد نبی ﷺ ایک سال زندہ رہے ہوں یا دو سال، اس سے اس کے معانی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح قرآن میں ارشاد ہے۔

﴿اُدْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (۱۵)

''دین اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔''

یہ آیت بالکل واضح انداز میں اب تدریج کو رد کرتی ہے اور دین اسلام پر مکمل عمل کرنے کا لازم قرار دیتی ہے۔ اگر تدریج کو برقرار رکھنا مقصود ہوتا تو قرآن کی ترتیب نزولی ہی قائم رکھی جاتی نہ ترتیب توقیفی سے قرآن مدون ہوتا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ تدریج شریعت کا اصل الاصول بھی ہو اور اس کا قرآن سے نام و نشان مٹا دیا جائے اور آج ممکن ہی نہیں ہم قرآن کی نزولی ترتیب جان سکیں۔

اصول تدریج کی تنقیح اور شبہات کا جائزہ:

تدریج کی مختلف جہات اوپر بیان کی گئی ہیں۔ درج ذیل سطور میں اس سے متعلق کچھ مغالطوں کی توضیح کی جائے گی۔

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

اعذار واضطرار کے احکام تدریج نہیں:

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ عذر اور اضطرار کی حالت کے احکام کا تعلق تدریج سے نہیں ہے۔ اگر کوئی نومسلم قرآن یاد نہ ہونے کی وجہ سے ابتداء بغیر قرآن کی قرات کے نماز ادا کرے تو اس کا تعلق اضطراری حالت سے ہے لیکن کسی فقیہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کو یہ سہولت عطا کرے کہ تمہارے لیے قرآن کی قرات کا حکم معطل کیا جاتا ہے اور تمہیں غیر محدود و غیر متعین اجازت ہے کہ بغیر قرآن نماز پڑھتے رہو۔ احکامِ شریعت اسلام قبول کرتے ہی مکمل واجب العمل ہوں گے۔ البتہ اہلیتِ ادا کے حصول کے ساتھ ان کی ادائیگی منسلک رہے گی۔ فقہاء نے شریعتِ اسلامیہ کے ان احکامات کو مستقل ابواب میں بیان کیا ہے جن کا تعلق اضطرار سے ہے۔ لیکن تیمّم کی اجازت تب تک ہی ہوتی ہے جب تک پانی میسر نہ ہو نیز اضطرار کو برقرار رکھنا اور اضطراری حالت کو ہی غنیمت سمجھ کر اصل حکم کو معطل رکھنا اور حالتِ اضطرار کے خاتمہ کے لئے کوشش نہ کرنا نہ شریعت کا مطلوب ہے اور نہ عام انسانی عقل اس کو مرغوب جانتی ہے۔ اضطرار کی حالت میں جہاں **غیر باغ و لاعاد** (نہ تو بغاوت کرے اور نہ حد سے بڑھے) کی شرط ہے وہاں یہ بھی شرط ہے کہ حالتِ اضطرار پر اپنے قلب و روح کو مطمئن کر کے حرام خوری یا حرام کاری کو جاری رکھنے کی بجائے اس سے نکلنے کا ہر راستہ اختیار کرے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا﴾ (۱٦)

یہ آیت بالتصریح حالتِ اضطرار پر اطمینان کو جرمِ عظیم قرار دیتی ہے۔ سیدنا فاروق اعظم کا قحط کے زمانے میں چوری کی سزا سے توقف کرنا بھی اضطرار کے احکامات میں سے تھا۔ اور اس بات کا بھی کوئی تاریخی ثبوت نہیں کہ اس زمانے میں بہت چوریاں ہوئیں اور چوروں کو کچھ نہ کہا گیا۔ شریعت اس کی اجازت کی نہیں دیتی کہ پہلے اہل کفر کے علاقوں میں جا کر اقلیتی شہری بننے کے لیے تگ ودو کی جائے اور پھر ''فقہ الاقلیات'' ترتیب دینے کے لیے اعذار و اضطرار کے احکام کو انتہائی مرغوب سمجھ کر ان کو اصل شریعت بنالیا جائے۔

طبعی وفطری ارتقاء شرعی تدریج نہیں:

ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایک عام انسانی مشاہدہ اور تجربہ کے مطابق تدریج انسانی زندگی کا طبعی اور فطری اصول ہے جس کا اطلاق ہر چیز پر ہوتا ہے۔ انسان بچپن، لڑکپن، جوانی اور کہولت کے مراحل سے تدریجاً گزرتا ہے۔ پھل دار درخت بیج، کاشت، پودا اگنا، بڑھنا اور پھل پھول لگنے کے مراحل سے گزرتے ہیں لہذا تدریج ایک فطری معاملہ ہے۔ دراصل یہ اشکال خلط مبحث کے باعث ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فطری تدریج کو شرعی تدریج سے کوئی علاقہ نہیں۔ فطری تدریج کا تعلق تکوینیات سے ہے نہ کہ تشریع سے۔ دوسری بات یہ کہ طبعی ارتقاء میں بھی جب کوئی چیز اگلے درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو اس پر گزشتہ مرحلہ کے احکام لاگو نہیں کئے جاتے۔ جب درخت پھل دار ہو جاتا ہے تو اس کو ننھا پودا سمجھ کر اس کا خیال نہیں رکھا جاسکتا۔ اسی طرح لڑکپن میں بچپن کی طبیعت کے مطابق غذا نہیں دی جاتی۔ لہذا جب احکام شریعت قانون الٰہی کے تحت اپنی حتمی شکل کو پہنچ چکے ان کو ان کی ابتدائی حالت میں واپس نہیں لے جایا جاسکتا۔

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

دعوت دین کو مرحلہ وار آگے بڑھانا ممنوع نہیں:

دعوتِ دین کا کام حکمت عملی کے ساتھ مرحلہ وار آگے بڑھنے کا تقاضا کرتا ہے۔حکمت عملی کے تحت آہستہ آہستہ دعوتی میدانوں میں قدم آگے بڑھانا ممنوع نہیں لیکن یہ تدریج بھی شرعی احکامات کی تدریج سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ نیز اعمالِ شریعت میں مراتبِ اعمال کی درجہ بندی بھی اس بات کی متقاضی ہے دعوت دین مرحلہ وار ہو۔غیر مسلم کو سب سے پہلے عقائد کی دعوت ہوگی۔اس میں بھی بنیادی عقائد پہلے تسلیم کروائے جائیں گے اور ذیلی عقائد بعد میں۔اسی طرح عبادات میں سب سے اہم نماز ہے۔اسی طرح اہمیت کے اعتبار سے جو چیز پہلے ہے اسے پہلے رکھا جائے گا۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے تو ان کو پہلے اس کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔جب وہ یہ مان لیں تو انکو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ وقت نمازیں فرض کی ہیں۔اور جب وہ یہ بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے۔یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دیا جاتا ہے۔(۱۷)

لیکن دعوت دین میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو وقتی طور پر معطل کر کے کسی نومسلم کو تدریجاً دین دار بنانے کی کوشش کرے۔یا تدریجاً اسلام میں داخل کرنے کے لیے شراب وزنا اور سود کی اجازت دے۔اگر اس طرح اسلام میں داخل کرنا ہوتا تو اہلِ کفر کو بآسانی عہد نبوی کے آغاز میں ہی مسلمان بنالیا جاتا۔دراصل حدیث میں بیان کردہ ترتیب بالکل منطقی ترتیب ہے۔یہ کیسے مناسب ہے کہ ایک کافر کو دعوت دیتے ہوئے پہلے نماز سکھانے کی بجائے فرشتوں کے بارے کلامی تفصیلات بتائی جائیں۔لیکن یاد رہے کہ اس مرحلہ وار تعلیم دین کا تعلق نومسلم افراد سے ہے۔یہ وہ مزعومہ تدریج نہیں جس کو عہد حاضر کے دانشور نسلی مسلمانوں کے ان معاشروں کے لیے جاری کرنا چاہ رہے جہاں حکومتیں بھی مسلمان کہلانے والوں کی ہیں۔

تربیت میں تدریج بھی فطری امر ہے نہ کہ شرعی:

تعلیم اور تزکیہ وتربیت کے معاملات فطری طور پر تدریجاً طے ہوتے ہیں۔کوئی شخص براہِ تعلیم وتربیت کے آخری مدارج پر نہیں پہنچ سکتا۔کسی بھی سیڑھی پر چڑھنے کے لیے سب سے پہلے ابتدائی درجے پر قدم رکھنا ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ اگلے قدم اٹھاتا ہوا انسان آخری مرحلے پر پہنچتا ہے۔حدیث میں بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھانے کا حکم دیا گیا اور دس سال کی عمر میں زجر وتوبیخ کے ساتھ نماز کی باقاعدگی کروانے کا حکم دیا گیا۔یہ تربیت کا فطری منہج ہے۔لیکن اس پر غور کیا جائے تو بالکل واضح ہے کہ یہ تدریج بچے پر نماز فرض ہونے سے پہلے ہے نہ کی بلوغت کے بعد اس تدریج کا حکم دیا گیا۔

احکامِ شرعیہ میں ترتیب، تدریج نہیں:

ہر حکم شرعی کسی خاص ترتیب سے ہی مکمل ہوتا ہے اور ادا کیا جاتا ہے۔نماز ایک خاص ترتیب سے ادا کی جاتی۔فجر کی نماز سنتوں اور فرائض سے مرکب ہے۔پہلے مرحلہ پر دو سنت مشروع ہیں وہ ادا کیے جاتے اور دوسرے مرحلہ پر دو فرض۔احکامِ شرعیہ کی ادائیگی کی ترتیب کا زیرِ بحث تدریج سے کوئی تعلق نہیں۔

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

عصرِ حاضر میں اصولِ تدریج کی تعبیرات واطلاقات پر نقد ونظر :

مکی و مدنی کی تقسیم کی تعبیر:

عصر حاضر کی بعض اسلامی جماعتیں اور معروف دینی قیادتیں دینِ اسلام کے احکامات پر تدریج کا اصول منطبق کرتی ہیں اور مکی و مدنی دور کی تقسیم کر کے بعض احکام شریعت کو معطل کرتی ہیں۔ بالخصوص جہاد اور سود کے احکامات سے پہلوتہی کے لیے اپنے دور کو مکی دور کے مشابہ قرار دیکر جہاد اور سود کے احکامات کو مدنی دور سے منسلک کرنا ہے۔ اور اس میں عجیب تضاد یہ ہے کہ جہاد کے علاوہ مدنی دور کے باقی احکامات اپنے مفروضہ مکی دور میں ہی عمل میں لائے جاتے ہیں۔ حالانکہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سب مدنی دور میں فرض کیے گئے۔ دین کا اکثر عملی حصہ مدنی دور میں تشکیل پایا۔ صرف جہاد اور سود کے اعتبار سے خود کو مکی دور میں قرار دینا اور باقی تمام اعمال مدنی دور کے بجالانا نہ جانے کس اصول شریعت کی روشنی میں ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا مکی دور تو تیرہ سال کے عرصہ پر محیط تھا لیکن عصرِ حاضر کی اسلامی جماعتوں کا مکی دور نصف صدی سے زیادہ ہو چکا ہے اور یہ ایسا مکی دور ہے جس میں ستاون سے زیادہ مسلم ممالک موجود ہیں جو مالی، عسکری اور زمینی وسائل سے مالا مال ہیں۔ اس مکی دور میں اسلامی جماعتوں کا جم غفیر ہے کہ جن کے سالانہ بجٹ اربوں روپے سے بڑھ کر ہیں اور افرادی قوت کے اعتبار ہر اسلامی جماعت لاکھوں کارکنان کی دعویدار ہے۔ اس مکی دور کی کوئی حد فاصل نہیں ہے جو بتائے کہ مکی دور کا اختتام کب ہوگا۔ نیز احکاماتِ شرعیہ کے فرضیت و وجوب میں مکی اور مدنی دور کی تقسیم کے اصولِ شریعت کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کونسی آیات و احادیث ہیں جہاں یہ اصول بیان ہوا اور اس کا اطلاق کیا گیا ہے؟ اسی طرح مسلم ممالک میں جاری وساری سودی معیشت کے حق میں بھی تدریج کی دلیل دی جاتی ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ سود جسے قرآن نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کہا ہو، (۱۸) اور نبی ﷺ نے جس کا گناہ ماں سے بدکاری کرنے سے بھی بدتر قرار دیا ہو، (۱۹) اسے مسلم ممالک میں، نسلی مسلمانوں کے معاشرے میں، باوجود اقتدار اور غلبے کے تدریج کے اصول کے تحت لاگو کیا جائے اور سالہا سال سے اس کی ترویج کی جائے۔

اسی طرح ان اسلامی جماعتوں اور دینی قیادتوں کو چاہیے کہ یہ بھی واضح کریں کہ مکی دور کے اختتام اور مدنی دور کے آغاز پر فی الفور کونسا جوہری فرق مسلمانوں کے مالی وسائل، افرادی قوت، عسکری طاقت میں وقوع پذیر ہوا تھا کہ قتال کو فرض کر دیا گیا تھا؟ کسے نہیں معلوم کہ دو ہجری میں ہی اسلام کا ابتدائی معرکہ پیش آ گیا جس میں مادی لحاظ سے عدم توازن کی صورت حال ایسی تھی کہ خاتم النبیین فرما رہے ہیں کہ اگر یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں بچے گا۔

قرآن میں منسوخ آیات کے قابلِ عمل ہونے کی تعبیر:

تدریج کی ایک تعبیر اس اصول پر کی گئی ہے کہ قرآن میں موجود وہ تمام آیات اگرچہ وہ کسی چیز کی حتمی شکل کے ابتدائی مراحل کو بیان کرتی ہیں، حالات وظروف کے اعتبار سے قابلِ عمل ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس نقطۂ نظر کے حاملین کا دعویٰ ہے کہ

> ''روایتی مذہبی نقطۂ نظر میں بالعموم تدریجی مراحل میں نازل ہونے والے شرعی احکام کو محض تاریخی اہمیت کا حامل جبکہ عملاً بے مصرف سمجھا جاتا ہے۔ تاہم ہماری رائے میں قرآن مجید کے ایک آفاقی پیغام ہونے کے تناظر میں قرآن کی حتمی ترتیب میں ان ابتدائی اور تدریجی احکام کو بھی پوری طرح محفوظ رکھا جانا اپنے اندر اس

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

سے کہیں زیادہ معنویت رکھتا ہے اور ان کو محفوظ رکھنے کا مقصد انسانی ذہن کو اس نکتے کی طرف متوجہ رکھنا ہے کہ شریعت کے حتمی احکام کو عملاً کسی معاشرے میں نافذ کرتے ہوئے اس کے احوال وظروف کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے اور حالات یا موانع کا تقاضا ہو تو معاشرے کو ایک مبنی بر مصلحت تدریج کے ساتھ اصل آئیڈیل کی طرف لے جانا چاہیے۔ جلیل القدر حنفی اصولی اور فقیہ ابو بکر الجصاص نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ قرآن مجید میں کوئی منسوخ حکم ایسا نہیں ہے جسے ہر اعتبار سے ناقابل عمل قرار دیا گیا ہو بلکہ حکم میں تبدیلی کا تعلق دراصل احوال میں تبدیلی سے ہے اگر وہ حالات دوبارہ پیدا ہو جائیں جن میں پہلا حکم دیا گیا تھا تو حالات کے تقاضے سے پہلا حکم بھی عود کر آئے گا۔ ہمارے نزدیک جصاص کی بات دو ترامیم کے ساتھ درست ہے۔ ایک یہ کہ انہوں نے یہ بات ایک محدود اور جزوی فقہی مفہوم میں بیان کی ہے جو بجائے خود درست ہے تاہم اس سے کسی مخصوص معاشرے میں نفاذِ شریعت کی عمومی حکمت عملی کا اصول بھی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ نے شرعی احکام وقوانین کے مخصوص مزاج کے ساتھ مناسبت یا عدم مناسبت کے تناظر میں غیر عرب معاشروں میں شریعت کے نفاذ میں تدریج کی جو حکمت عملی بطور اصول تجویز کی ہے، کسی معاشرے کی ذہنی وفکری اور اخلاقی سطح کے تناظر میں بھی نفاذ شریعت کے لیے وہی حکمت عملی اختیار کرنا ضروری ہے'' (۲۰)

۱۔ روایتی نقطہ نظر میں منسوخ احکام والی آیات کی موجودگی تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ درج ذیل اہمیت کی بھی حامل ہیں۔

انہی آیات سے حکمِ شرعی کی تعلیل کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ شراب کی حرمت جن قباحتوں کی بنیاد پر قائم ہوئی وہ ابتدائی آیات میں بیان ہوئی ہیں۔ پہلی آیت میں نشہ آور کو رزق غیر حسن قرار دیا گیا، دوسری آیت میں اس کا ضرر ہذیانی کیفیت کا طاری ہونا اور عقل کا ماؤف ہونا ظاہر کیا گیا۔ لہذا تحریم کے حکم وعلل بھی ان آیات سے سامنے آتے ہیں۔ اسی طرح تحریم خمر کی آیت میں اثمھما اکبر من نفعھما کے ذریعہ ایک بہت بنیادی اصول بیان کیا گیا۔ (ب) انہی منسوخ آیات سے واضح ہوتا ہے کہ تحلیل وتحریم کی بنیاد حکم شرعی ہے نہ کہ عقلی۔ اگر عقلی وجہ سے تحریم ہوتی تو پہلی تین آیات کی بنیاد پر ہی شراب کا پینا ممنوع ہو جاتا۔ اسی طرح سود کی تحریم اس کی ابتدائی آیات پر ہی ہو جاتی۔

۲۔ منسوخ آیات کا حکم اگر حالات وظروف کے اثر سے موثر ہو جاتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا پیمانہ شرعی اور قرآنی وحدیثی معیار ہے جو یہ تعین کرے کہ اب حالات وظروف منسوخ حکم کو موثر کرنے والے حالات کے متوازی ہو گئے ہیں۔ قرآن وحدیث میں تو وہ حالات بیان کر کے یہ اطلاع نہیں دی گئی کہ حالات کی ان حدود وقیود کے مطابق منسوخ حکم شریعت کو قابل عمل بنا لینا۔ اور نہ جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا اس وقت ہر منسوخ حکم کی مدت ختم ہونے پر بتایا گیا ہے کہ اب تدریج کا یہ مرحلہ ان مقاصد کے حاصل ہو جانے کے باعث ختم کیا جاتا ہے اور نیا حکم جاری کیا جاتا ہے کیونکہ اب معاشرہ میں اگلے مرحلہ کی صلاحیت کی فلاں فلاں علامات ظاہر ہو چکی ہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث میں سرے سے احکامِ شرعیہ کی تدریج کا اصول مذکور نہیں اور نہ زبان نبوی سے تدریج کو شریعت کے

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

اصل الاصول کے طور پر متعین کیا گیا۔اور نہ ہی صحابہ کرام نے احکام شرعیہ کے استنباط واستخراج میں اس کو شریعت کے کسی اصول کے طور پر کبھی ذکر کیا۔البتہ شریعت کے اسرار وحکم کے باب میں علماء کرام نے تیسیر کی ایک جہت کے طور پر تدریج کو شرعی حکمت گردانا ہے۔اور احکام شرعیہ کے مختلف مراحل کو مدنظر رکھ کر اس حکمت کو اخذ کیا ہے۔

۳۔ انسانی اجتماعیّتوں کے احوال وظروف کے تنوع اور کثرت کا احاطہ کر لینا انسان کے بس سے باہر ہے۔اگر بالفرض محال ماہرین علمِ بشریات اس قابل بھی ہو جائیں کہ وہ ہزاروں معاشروں کے ان گنت احوال وظروف کو تقسیم کر کے کچھ گروپ تشکیل دے لیں لیکن یہ بہرحال پھر بھی ناممکن ہے کہ انفرادی وشخصی احوال وظروف کا استقصاء واستحصاء کیا جا سکے جبکہ عمل بجالانے میں سب سے بنیادی کردار انفرادی شخصیت کا ہوتا ہے۔ لہٰذا احوال وظروف کے مطابق ایک نہیں سینکڑوں اسلام درکار ہیں یا ایک ایسا اسلام درکار ہے جس کا کوئی قانون حتمی نہ ہو۔اور جتنے تدریجی مراحل قرآن وسنت کے مختلف احکام کے نفاذ کو مدنظر رکھ کے بیان کئے جاتے ہیں وہ مراحل کم پڑ جائیں گے اور کئی تدریجی مراحل خود سے اضافہ کر کے داخل کرنے پڑیں گے۔جس رب العالمین احکامِ شریعت کو نازل کیا ہے اس نے کہہ دیا ہے کہ کچھ بھی تم پر وسعت وطاقت سے زیادہ فرض نہیں کیا گیا۔اور اس کا مخاطب جمیع نسل انسانی ہے۔ ﴿لا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾ کا مخاطب صرف صحابہ کرام کا گروہ یا اس وقت کے احوال وظروف میں بسنے والے عرب نہیں تھے۔یورپ،افریقہ اور ایشیا کے خطوں پر صحابہ کی حکومتیں قائم ہوئیں لیکن ان کو احوال وظروف کی روشنی میں شریعت کے پیمانے بدلتے رہنے کا خیال تک نہ آیا۔﴿لا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾ کی آیت اس حقیقت پر دلالت کرتی کہ یسر وعدم حرج ہر حکمِ شریعت کے اندر موجود ہے اور اس کا عنصر ترکیبی ہے نہ کہ ان احکامات سے خارج کوئی چیز ہے جو حالات وظروف کے ذریعے متعین کر کے ان میں داخل کی جائے گی (یہاں یادرہنا چاہیے کے اضطرارات واعذار اور چیز ہیں اور اس کا تدریج سے کوئی تعلق نہیں)

۴۔ ''مخصوص مزاج کے عرب معاشرے میں نافذ شرعی احکام وقوانین کو غیر عرب معاشروں میں نافذ کرتے ہوئے اصولِ تدریج کو مدنظر رکھنا'' خود تضاد کا حامل اصول ہے۔جب سارے دلائل یہ قائم کیے گئے ہیں کہ عرب معاشرے میں ان احکام وقوانین کو تدریجاً نافذ کیا گیا تو اب غیر عرب معاشرے میں مخصوص مزاج کی باعث فوراً نافذ نہ کرنا چہ معنی دارد۔پھر جب یہ قوانین عرب معاشرے کے مزاج کے ہم آہنگ تھے تو وہاں بلاضرورت کیوں تدریج عمل میں لائی گئی؟ عرب اور غیر عرب کی تقسیم کا اصول تدریج سے تعلق قرآن کی کن آیات سے کیسے اخذ ہوتا ہے؟ نیز کیا یہاں مخصوص مزاج سے مراد مجرموں کا مخصوص مراد ہے؟۔کیونکہ حدود وتعزیرات کا نفاذ مجرمین پر ہوتا ہے لہٰذا زانیوں،چوروں،ڈکیتوں،قاتلوں اور شراب خوروں کے مخصوص مزاجوں کی رعایت ضروری ہے؟ یادرہنا چاہیے کہ راسخ فی الدین علماء وفقہاء کے جہاں جہاں تیسیر وتدریج کی ذکر کیا جاتا ہے اصولی طور پر ان کی مراد امور غیر منصوصہ وغیر متواترہ اجتہادیہ ہوتے ہیں جن میں فقہاء کے اختلاف کے باعث توسع کا ایک کھلا میدان ہوتا ہے

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

اور اس میدان میں جہاں جہاں جس کا خیمہ ہوتا ہے اسلام کی شاداب سرزمین پر ہی واقع ہوتا ہے۔

۵۔ احکام شرعیہ کے اندر موجود وہ لازمی وصف یا اوصاف دلائل شرعیہ سے متعین کر کے بتائے جائیں جو عرب قوموں کے مزاج کے عکاس بھی ہیں اور ان کے لیے عمل میں سہل اور مرغوب بھی جبکہ وہ اوصاف غیر عرب قوموں کے لیے پریشان کن ہو سکتے ہیں یا ان کی وجہ سے ان پر عمل میں طبائع ومزاجوں کو عدم آہنگی کا سامنا ہوگا؟ نیز اس سوال کا جواب دیا جائے باوجود تدریج کا اصول لاگو کرنے کے اور شریعت کے جزیرۃ العرب کی قوموں کے ہم آہنگ ہونے کے باوجود نبی ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ارتداد کیوں پھیل گیا؟

دین کے لچک دار ہونے کی تعبیر:

جناب ڈاکٹر فضل الرحمان، (۱۹۱۹ء-۱۹۸۸ء) نے من حیث المجموع دین اسلام کی اور بالخصوص قرآن کی مرحلہ وار آیات احکام کی تعبیر یہ اختیار کی ہے کہ ان کا منشا ''قانونی وفقہی'' نہیں بلکہ ''اخلاقی'' ہے۔ سود وزنا سے متعلق متعدد آیات ہوں یا شراب کی ممانعت سے متعلق متعدد آیات سب کا مجموعی تاثر کوئی بے لچک قانونی نظام تشکیل دینا نہیں ہے بلکہ ایک مثالی معاشرے کے خدوخال بیان کرنا ہے۔ فقہاء نے ہر ہر آیت کو ایک جزوی حکم کا مصدر بنا جو اسلام کی فقہی صورت گری وہ قرآن کے مجموعی مقصد کے خلاف ہے۔ قرآن ان آیات میں جامد قانون نہیں بیان کرتا بلکہ ان آفاقی معاشرتی اخلاقی اصولوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو قانون سازی کا منبع ہیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمان تحریر فرماتے ہیں:

''قرآن کا اصل منشا اور غایت۔۔۔ سماجی، معاشی انصاف اور لازمی انسانی مساوات پر اصرار۔۔۔ اس کی ابتدائی سورتوں سے بالکل واضح ہے۔ اب اس کے بعد جو کچھ بھی ہے یعنی نجی اور پبلک زندگی کے لئے قرآن کی قانون سازی، حتیٰ کہ اسلام کے پانچ ارکان جو کہ دین کا اعلیٰ ترین درجہ سمجھے جاتے ہیں، ان سب کا مقصد ومنتہا، سماجی انصاف اور مساوات پر مبنی ایک معاشرہ قائم کرنا ہے۔ قرآن کے قواعد (Rules) کی بالکل لفظ بہ لفظ تعمیل پر زور دینا، قطع نظر اس معاشرتی تبدیلی کے جو واقع ہو چکی ہے اور جو بالکل محسوس انداز میں ہماری آنکھوں کے سامنے واقع ہو رہی ہے، اس کا مطلب قرآن کے اخلاقی سماجی مقاصد اور اغراض کا جان بوجھ کر ناکام کرنا ہے۔'' (۲۱)

یہ دین کی ایسی تعبیر ہے جو نہ صرف اسلام کے لیے قابل قبول نہیں بلکہ عقلاً کسی بھی مذہب یا نظامِ قانون کے لئے لائق التفات نہیں۔ دنیا میں دساتیر اس طرح تشکیل نہیں دیے جاتے کہ وہ کوئی متعین عملی قانون دینے کی بجائے وعظ ونصیحت کرتے رہیں اور محض درسِ اخلاق سے سماجی نظم ونسق کامیابی سے چلنے لگے۔ تاریخ مذاہب ہو یا تاریخ معاشریات وسماجیات، تاریخ ریاست ہو یا تاریخ قانون، سب اس پر گواہ ہیں کہ بغیر متعین، واضح، مکمل اور تفصیلی قوانین کے کوئی معاشرہ نہیں چل سکتا۔ اسی طرح یہ بھی امر حقیقت ہے قوانین میں تلوّن اور ہر آن تبدیل ہو جانے کا خدشہ انہیں کوئی انتظامی خدمت سرانجام دینے کے قابل نہیں چھوڑتا۔ دنیا کا کوئی ریاستی ڈھانچہ ہو یا سماجی ہیئت یہ ممکن نہیں کہ کسی مقرر قانونی نظام کا پابند نہ ہو جس میں سزا و تعزیرات کا طے شدہ ہدایت نامہ نہ تیار کیا گیا ہو۔ حیرت ہے کہ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید جو ھدی للناس ہونے کا دعویٰ کرے (۲۲)، خود کو مہیمن قرار دے، (۲۳) تبیانا لکل شیء اس کا طرہء امتیاز ہو (۲۴)، لیکن اس کے اندر اخلاقی جہت

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

سے قانون سازی کے کچھ مقاصد متعین ہونے سے زیادہ کچھ نہ ہو۔ایسے مقاصد جس کی روسے شراب کا حرام ہونا بھی قرآن کی تعبیر ہواور شراب کو حلال قرار دینا بھی قرآنی مقصد کی ایک جہت ہو۔زنا پر کوڑے مارنا بھی ایک وقت میں درست اور شرعی ہواور اس سزا کو رد کر دینا بھی قرآنی ہدایت ہو۔

مذاہب کی تاریخ قانون کے قرآنی شواہد بھی اس نقطۂ نظر کا بطلان کرتے ہیں۔قرآن صدیوں پہلے اہل تورات پر قانونِ قصاص کے مشروع ہونے کا ذکر کرتا ہے۔پھر صدیوں یہ قانون اسی طرح ان پر لاگو رہتا ہے یہاں تک کہ بعثتِ نبوی کے وقت بھی اسی قانون کے سیاق وسباق میں ان کو مخاطب ہو کے کہا جاتا ہے **ومن لم یحکم بنا انزل الله فاولئک هم الکافرون وکتبنا علیهم فیها ان النفس باالنفس و العین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن و الجروح قصاص فمن تصدق به وهو کفارة له ومن لم یحکم بنا انزل الله فاولئک هم الظالمون** ۔(۲۵)صدیوں کی تاریخ میں قرآن واضح کہتا ہے کہ یہی قانون جاری وساری ہے اور یہی امت محمد یہ کے لیے بھی قانون ہے۔

اسی طرح ارکانِ سلام کا منتہا بھی سماجی انصاف قرار دینا اوران کی مقررہ شکل کا لازم نہ ہونا بالکل لایعنی دعویٰ ہے۔صلوٰۃ وزکوٰۃ میں حکمت،مقصد،مصلحت اوراسی قبیل کی دیگر اشیاء جو بھی گنوادی جائیں لیکن ان کا مفروضہ عبادت ہونا نہ صرف امت محمد یہ میں مشروع ہے بلکہ جمیع انبیاء کی شرائع میں رہا۔جمیع انبیاء میں مشروع صلوٰۃ وزکوٰۃ کیا خاتم النبیین کے دورِ ختم نبوت میں ہی آ کے حالات کی تبدیلی کے باعث اپنی خاص شکلِ متواتر میں قائم رہنے کی پابند نہیں کی جاسکتی؟ کیا یہ قابل تسلیم عقلی بات ہوسکتی کہ قرآن کا صریحاً باللفظ دیا گیا قانون تو اس کی مراد نہ ہواور ایک خاص پوشیدہ منطق اور مقصد اس کی اصل ہو جو کہ بیان نہ ہوا ہو بلکہ مستنبط کرنا پڑے؟

خلاصہ یہ ہے تدریج شریعت کا کوئی اصل الاصول نہیں ہے۔چند احکاماتِ شریعت میں تدریج کا برتا جانا اس کو شریعت کا اصول نہیں بناتا۔علی سبیل التنزل اس کو اگر اصول مان بھی لیا جایے تو اس کو ابدیت حاصل نہیں بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا اختیار تھا اور انہی کی ذات تک محدود تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تدریج کو بحیثیت اصولِ شریعت قرآن،سنت اور صحابہ نے نہ تو بیان کیا اور نہ ہی احکام شریعت کے اطلاق ونفاذ میں اس کو بنیادی اصل قرار دیا۔محض چند احکام شریعت میں اس کے وقوع کو مستنبط کر کے اسے شریعت کی ایسی اصل قرار دینا کہ گویا شریعت اسی اصل پر قایم ہوئی افراط وغلو کا رویہ ہے۔

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

حواشی وحوالہ جات

۱۔ البقرہ:۱۰۶

۲۔ الاعلیٰ:۶

۳۔ السجستانی، ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن، دارالکتاب العربی، بیروت، ج۳، ص۱۲۵، حدیث نمبر ۳۰۲۷ قال الالبانی: صحیح

۴۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، الجامع الصحیح، تحقیق: مصطفیٰ دیب البغا، طبع ثالث، ۱۹۸۷ء، ج۱، ص۳۲۵، حدیث نمبر ۹۱۱

۵۔ الشیبانی، ابوبکر، احمد بن عمرو بن ضحاک، الاحاد والمثانی، تحقیق: فیصل احمد الجوابرۃ، دارالرایۃ، الریاض، ۱۹۹۱ء، ج۲، ص۱۴۶، حدیث نمبر ۹۴۱۔

۶۔ ابن عجیبہ، احمد بن محمد، الحسنی، الادریسی، الشاذلی، البحر المدید، دارالکتاب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء، ج۴، ص۲۲۲

۷۔ البغوی، ابومحمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، تحقیق: محمد عبداللہ النمر ورفقاء، دارطیبۃ، بیروت، ۱۹۹۷ء، ج۱، ص۱۹۶۔

۸۔ الزمخشری، ابوالقاسم محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، تحقیق: عبدالرزاق مھدی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج۱، ص۲۸۷، ۲۸۸۔

شراب سے متعلق چار آیات نازل ہوئیں۔ پہلے مرحلہ پر سورہ النحل کی آیت نمبر ۶۷ کے ذریعے شراب کو ''رزقا حسنا'' سے خارج کیا گیا۔ دوسرے مرحلہ پر ''اثم کبیر ومنافع للناس'' (البقرہ:۲۱۹) کا الٰہی فرمان نازل ہوا۔ تیسرے مرحلہ پر لاتقربوا الصلاۃ وانتم سکاریٰ (النساء۔۴۳) حکم دیا گیا۔ اور حتمی حرمت کا حکم المائدہ کی آیت نمبر ۹۰ کے ذریعے نازل ہوا۔

۹۔ الرازی، ابوعبداللہ، فخر الدین، محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج۱۲، ص۱۶۷؛ ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد، طوق الحمامۃ فی الالفۃ والآلاف، تحقیق: احسان عباس، الموسسۃ العربیۃ للدراسات والنشر، بیروت، ۱۹۸۷ء، ص۱۷۵

۱۰۔ الطبرانی، ابوالقاسم، سلیمان بن احمد، مسند الشامیین، تحقیق: حمدی عبدالمجید السّلفی، مئوسسۃ الرسالۃ بیروت، ج۲، ص۱۳۹، حدیث نمبر ۱۰۶۶۔ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں بھی روایت کیا۔ اس کے رجال ثقات میں سے ہیں۔

۱۱۔ البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین، السنن الکبریٰ، مجلس دائرۃ المعارف، حیدرآباد، طبع اول، ۱۳۴۴ھ، ج۸، ص۱۷۶، حدیث نمبر ۱۷۱۷۵

۱۲۔ الانفال۔۶۶

۱۳۔ الہیثمی، نورالدین، بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث، تحقیق: حسین احمد صالح البکری، مرکز خدمۃ السنہ والسیرۃ النبویۃ، المدینۃ المنورہ، طبع اول، ۱۹۹۲ء، ج۱، ص۳۸۰، حدیث نمبر ۲۸۲

۱۴۔ المائدہ:۳ ۱۵۔ البقرۃ:۲۰۸ ۱۶۔ النساء:۹۷

۱۷۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، الجامع الصحیح، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر، دارطوق النجاۃ، طبع اول، ۱۴۲۲ھ، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر ۱۳۹۵

۱۸۔ البقرۃ:۲۷۹

۱۹۔ الحاکم، ابوعبداللہ، النیساپوری، المستدرک علی الصحیحین، مطبع ندارد، طبع اول، ۱۴۲۷ھ، حدیث نمبر ۲۲۵۹، ج۲، ص۳۷۔

۲۰۔ نفاذ شریعت کی حکمت عملی چند پہلو، عمار خان ناصر، ماہنامہ اشراق، المورد، لاہور، ص۴۰، ۴۱، مارچ ۲۰۱۰

۲۱۔ فضل الرحمان، اسلام اور جدیدیت، مترجم: محمد کاظم، ادارہ مشعل لاہور، ص۔۴۵، ۲۰۰۹ء

۲۲۔ البقرۃ:۱۸۵ ۲۳۔ المائدہ:۴۸

۲۴۔ النحل:۸۹ ۲۵۔ المائدہ:۴۵

© rasailojaraid.com
This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.